اختلافی مسائل پر امت سازی کا فتنہ

سوال:- مجھے مذہبی تنازع اور تفرقہ سے فطری بُعد ہے اور وہ تمام جزئی مسائل جن میں اختلاف کرنے کی گنجائش خود شریعت میں موجود ہے ان میں اختلاف کو جائز رکھتا ہوں۔ اسی طرح اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی معاملہ میں دو یا تین طریقۂ عمل ثابت ہوں تو ان سب کو جائز اور سنت کی حد کے اندر شمار کرتا ہوں۔ مثلاً نماز میں رفع یدین کرنا اور نہ کرنا میرے نزدیک دونوں برابر ہیں، چنانچہ میں ان دونوں صورتوں پر عمل کرتا ہوں۔ کبھی اس پر اور کبھی اس پر۔ مجھے اپنے اس مسلک پر پورا پورا اطمینان ہے اور میں نے اسے سوچ سمجھ کر اختیار کیا ہے۔ مگر والد محترم نے جو رکن جماعت بھی ہیں محض نماز میں رفع یدین کا التزام چھوڑ دینے کی وجہ سے مجھے یہ نوٹس دے دیا ہے کہ اگر تم نے اپنی روش نہ بدلی تو پھر ہمارے تمہارے درمیان سلام کلام کا تعلق برقرار نہیں رہ سکتا۔ میں نے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اب یہ قضیہ میرے اور والد محترم کے حلقۂ تعارف میں بحث کا موضوع بن گیا ہے اور دونوں کی تائید اور تردید میں لوگ زور استدلال صرف کر رہے ہیں۔ مجھ پر جو بے سروپا اعتراضات عموماً ہو رہے ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ تو حنفی ہو گیا ہے، تیرا دو طریقوں پر عمل کرنا دو عملی اور نفاق ہے، تم جماعت کی اکثریت سے مرعوب ہو گئے ہو، تمہارا اصل مقصود طلب زر اور حصول عزت ہے، تمہیں احناف نے یہ پٹی پڑھائی ہے، تو مودودی صاحب کا مقلد ہے، وغیرہ۔ ان اعتراضات میں سے دلچسپ ترین تو یہ تھا کہ ہمیں پہلے ہی مودودی صاحب سے یہ اندیشہ تھا کہ وہ جماعت اسلامی کے نام پر اہل حدیث کو حنفی بنا کے رہیں گے، چنانچہ یہ اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔ یعنی پہلے پہل تو اس جماعت میں آنے والے سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا فقہی مسلک جماعت میں آنے کے بعد بھی برقرار رہیگا، مگر جماعت میں آنے کے بعد ایسے طریقوں سے کام لیا جاتا ہے کہ کسی شخص کو خود کوئی احساس بھی نہیں ہوتا اور اس کا مسلک سراسر بدل جاتا ہے۔ میں حسب موقع ان سب اعتراضات کے جواب دیتا رہا ہوں، لیکن پھر بھی اپنے اطمینان کے لیے حسب ذیل امور کی وضاحت چاہتا ہوں:-

۱- والدین کے حقوق کا دائرہ کتنا وسیع ہے؟ کیا وہ اولاد سے مسائل کی تحقیق کا اور اپنی تحقیق کے مطابق عمل کرنے کا حق بھی سلب کر سکتے ہیں؟ کیا والدین کی مرضی کے خلاف مسلک اہل حدیث کی خلاف ورزی (یعنی ترک رفع یدین) کرنے پر "سخط الرب فی سخط الوالدین" کی وعید کا مستوجب ہو جاؤں گا؟

۲- از روئے شریعت نماز میں رفع یدین کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ کیا حیثیت رکھتا ہے؟ کیا ترک رفع سے آدمی دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے؟

۳- کیا ایک رکن جماعت دوسرے رکن سے اس بنا پر مقاطعہ کر سکتا ہے کہ اس نے مزعومہ مسلک اہل حدیث کی خلاف ورزی کی ہے؟

جواب:- جس نزاع کا آپ نے ذکر کیا ہے، اس کا حال پڑھ کر مجھے بہت رنج ہوا۔ مجھ کو اس بات کی ہرگز توقع نہ تھی کہ ہماری جماعت میں اب بھی ایسے لوگ موجود ہوں گے جو فقہی مسائل میں تعصب و تشدد کی اس حد کو پہنچے ہوئے ہوں گے۔ اگر آپ جیسا معتمد علیہ آدمی ان حالات کا راوی نہ ہوتا اور ایک دوسری اطلاع سے آپ کی تائید نہ ہو گئی ہوتی تو شاید

میں اس بات کو باور کرنے کے لیے تیار نہ ہوتا کہ واقعی ہماری جماعت میں ایسی صورت حال پیدا ہوئی ہوگی۔ بہر حال اب کہ اس نزاع نے سر اٹھا ہی لیا ہے، میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ اس معاملہ کی اصولی اور فقہی اور جماعتی حیثیت کو صاف صاف واضح کر دوں۔

۱۔ اصولی حیثیت سے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ شرعی مسائل میں کسی شخص یا گروہ کا کسی خاص طریق تحقیق و استنباط یا کسی مخصوص مذہب فقہی کی پیروی کرنا اور چیز ہے اور اس کا اپنے اس خاص طریقہ یا مذہب کے لیے متعصب ہونا اور اس کی بنا پر جتھے بندی کرنا اور اس سے مختلف مذہب رکھنے والوں سے مغایرت و منافرت برتنا اور اس کی پابندی ترک کرنے والوں کو اس طرح ملامت کرنا کہ گویا ان کے دین میں کوئی نقص آ گیا ہے، بالکل ایک دوسری چیز ہے۔ پہلی چیز کے لیے تو شریعت میں پوری پوری گنجائش ہے، بلکہ خود صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے طرز عمل سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے اور دین میں اس سے کوئی خرابی رونما نہیں ہوتی۔ لیکن دوسری چیز بعینہٖ وہ تفرق فی الدین ہے جس کی قرآن میں مذمت کی گئی ہے، اور اس تفرق کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ لوگ فقہی مسائل ہی کو اصل دین سمجھ بیٹھتے ہیں، پھر ان مسائل میں ذرا ذرا سے اختلاف پر ان کے درمیان الگ الگ امتیں بنتی ہیں، پھر ان فروعی بحثوں میں وہ اس قدر الجھتے اور ایک دوسرے سے بیگانہ ہو جاتے ہیں کہ ان کے لیے امت مسلمہ کی زندگی کے اصل مقصد (یعنی اعلائے کلمۃ اللہ اور اقامت دین) کی خاطر مل کر جدوجہد کرنا غیر ممکن ہو جاتا ہے۔ مسلک فقہی کے اعتبار سے کسی کا طریق اہل حدیث یا طریق حنفی یا طریق شافعی وغیرہ پر چلنا بجائے خود کسی قباحت کا موجب نہیں، لیکن اگر یہ چیز آگے بڑھ کر یہ صورت اختیار کر لے کہ مسلمان فی الحقیقت ایک امت نہ رہیں، بلکہ اہل حدیث، احناف، شوافع وغیرہ ناموں کے ساتھ الگ الگ مستقل امتیں بن جائیں، اور شرعی اعمال کی جو خاص صورتیں ان مختلف گروہوں نے اختیار کی ہیں وہ ہر ایک گروہ کے مخصوص شعائر قرار پا جائیں جن کی بنا پر ان گروہوں میں مغایرت اور امتیاز واقع ہو تو پھر یقیناً یہ دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہے اور میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ دین اسلام میں اس تقسیم اور تعصب کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ رفع یدین کرنا یا نہ کرنا، آمین زور سے کہنا یا آہستہ کہنا، اور ایسے ہی دوسرے امور صرف اسی وقت تک شرعی اعمال ہیں جب تک کوئی شخص ان کے ترک یا فعل کو اس بنا پر اختیار کرے کہ اس کی تحقیق میں صاحب شریعت سے ایسا ہی ثابت ہے، یا یہ کہ ایسا کرنا دلائل شرعیہ کی بنا پر ارجح اور اولیٰ ہے۔ مگر جب یہی اعمال کسی مخصوص فرقے کے شعائر بن جائیں اور ان کا ترک یا فعل وہ علامت قرار پائے جس کی بنا پر یہ فیصلہ کیا جانے لگے کہ آپ کس فرقہ میں داخل اور کس سے خارج ہیں اور پھر انہی علامتوں کے لحاظ سے یہ طے ہونے لگے کہ کون اپنا ہے اور کون غیر، تو اس صورت میں رفع یدین کرنا اور نہ کرنا یا آمین زور سے کہنا یا آہستہ کہنا یا ایسے ہی دوسرے امور کا ترک اور فعل دونوں یکساں بدعت ہیں اور بدترین قسم کی بدعت ہیں۔ اس لیے کہ سنت رسول میں بجائے خود تو ان اعمال کا ثبوت ملتا ہے، لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ ان اعمال کو مسلمانوں کے اندر گروہ بندیوں اور فرقہ سازیوں کے لیے علامات اور شعائر بنایا جائے۔ ایسا کرنا دراصل حدیث کا نام لے کر صاحب حدیث علیہ السلام کے منشا کے بالکل برعکس کام کرنا ہے اور اس اصل کام کو غارت کرنا ہے جس کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تھے۔

۲- اب اس سلسلہ کی فقہی حیثیت کو لیجیے۔ رفع یدین کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ مختلف طرزِ عمل منقول ہیں:

ا- ابن عمرؓ کی روایت جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ تین مواقع پر رفع یدین کرتے تھے۔ افتتاحِ صلوٰۃ کے وقت، رکوع میں جاتے ہوئے، اور رکوع سے اٹھ کر۔

ب- مالک بن حویرث کی روایت جس میں دو موقعوں پر رفع یدین کا ذکر ملتا ہے۔ افتتاحِ صلوٰۃ کے وقت اور رکوع سے اٹھ کر۔

ج- وائل بن حُجر کی روایت جس میں چار مواقع پر اس کا ہونا مذکور ہے۔ افتتاحِ صلوٰۃ کے وقت۔ رکوع میں جاتے ہوئے۔ رکوع سے اٹھتے ہوئے۔ سجدہ کے موقع پر۔

د- ابو حُمید ساعدی کی روایت، اس میں بھی چار مواقع پر رفع یدین کا ذکر ہے، مگر چوتھا موقع سجدہ کی بجائے تیسری رکعت میں قعدہ سے اٹھنے پر بیان کیا گیا ہے۔

ہ- عبداللہ ابن مسعود اور براء ابن عازب کی روایت جس میں صرف ایک مرتبہ رفع یدین کرنے کا ذکر ہے، یعنی افتتاحِ صلوٰۃ کے موقع پر۔

ان مختلف روایات میں سے (ا) کو امام شافعی، احمد، اور ابو ثور نے، نیز اہل الحدیث اور اہل الظاہر کی اکثریت نے اختیار کیا اور ایک روایت امام مالک سے بھی یہی ہے کہ وہ اس کو ترجیح دیتے تھے۔ (د) کو اہل الحدیث کے ایک گروہ نے مرجح ٹھہرایا۔ اور (ہ) کو ابراہیم نخعی، شعبی، سفیان ثوری، ابو حنیفہ اور تمام فقہائے کوفہ نے ترجیح دی۔ لیکن یہ واضح رہے کہ سوال صرف ترجیح کا ہے نہ کہ رد و قبول کا۔ ائمہ سلف میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ جن مختلف طریقوں کا ذکر مذکورۂ بالا احادیث میں آیا ہے ان میں سے کسی پر حضورؐ نے عمل نہیں کیا تھا، بلکہ کہتے صرف یہ ہیں کہ جس خاص طریقہ کو ہم نے مرجح قرار دیا ہے وہ حضورؐ کا عام معمول تھا اور دوسرے طریقوں پر آپ کبھی کبھی عمل کر لیتے تھے۔ پس جب معاملہ کی حقیقت یہ ہے تو ان طریقوں میں سے جس پر بھی کوئی عمل کر رہا ہے، حدیث ہی کی پیروی کر رہا ہے اور اس پر نکیر کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ اتباعِ پیغمبر پر نکیر کی جاتی ہے جس کی جرأت مقلدین کو بھی زیبا نہیں کجا کہ اہلِ حدیث اس کا ارتکاب کریں۔ پھر اگر کوئی شخص ان طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ پر جامد ہونے کے بجائے وقتاً فوقتاً ان سب طریقوں پر عمل کرتا رہے جو حدیث میں مذکور ہیں تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ صحیح و مکمل پیروی ہو گی، اور لفظ عمل بالحدیث کا اطلاق اس طرزِ عمل پر زیادہ صحیح معنی میں ہو گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ابتدا ہی میں ایک طریقہ کو ترجیح دینے اور باقی سب طریقوں کو ترک کر دینے کے بجائے ان سب طریقوں کو نماز میں اختیار کرنے کی گنجائش رکھی جاتی تو شاید بعد کے ادوار میں وہ جمود و تعصب پیدا ہی نہ ہوتا جس کی بدولت نوبت یہ آ گئی ہے کہ لوگ نماز کی جس صورت کے عادی ہیں اس سے ذرا سی مختلف صورت بھی جہاں انھوں نے دیکھی اور بس وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اس شخص کا دین بدل گیا ہے اور یہ ہماری امت سے نکل کر دوسری امت میں جا ملا ہے۔

یہ رائے جو میں عرض کر رہا ہوں یہ صرف میری انفرادی رائے ہی نہیں ہے بلکہ پہلے بھی متعدد اہلِ تحقیق اسی خیال کا اظہار کر چکے ہیں۔ اس وقت میرے پاس سفر میں کتابیں موجود نہیں ہیں .... اس لیے میں زیادہ وسیع

پیمانہ پر شواہد پیش نہیں کر سکتا، لیکن حجۃ اللہ البالغہ خوش قسمتی سے مل گئی ہے اس سے چند حوالے یہاں نقل کرتا ہوں۔ شاہ صاحب پہلے تو یہ اصولی بات ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

الاصل ان یعمل بکل حدیث الا ان یمتنع العمل بالجمیع للتناقض (باب القضاء فی الاحادیث المختلفۃ)

اصولی بات یہ ہے کہ آدمی ہر حدیث پر عمل کرے، الا یہ کہ کسی مسئلہ میں سب حدیثوں پر عمل کرنا تناقض کی وجہ سے غیر ممکن ہو۔

پھر آگے چل کر فصل فی عدۃ امور مشکلۃ من التقلید واختلاف المذاہب میں فرماتے ہیں:-

ان اکثر صور الاختلاف بین الفقہاء لا سیما فی المسائل التی ظہر فیہا اقوال الصحابۃ فی الجانبین کتکبیرات التشریق وتکبیرات العیدین ونکاح المحرم وتشہد ابن عباس وابن مسعود والاخفاء بالبسملۃ وبآمین والاشفاع والایتار فی الاقامۃ ونحو ذلک، انما ہو فی ترجیح احد القولین وکان السلف لا یختلفون فی اصل المشروعیۃ وانما کان خلافہم فی اولی الامرین ونظیرہ اختلاف القراء فی وجوہ القرأۃ وقد عللوا کثیرا من ہذا الباب بان الصحابۃ مختلفون وانہم جمیعا علی الہدیٰ۔

واقعہ یہ ہے کہ فقہا کے درمیان اختلاف کی اکثر صورتیں بالخصوص ان مسائل میں جن میں صحابہ کے اقوال دونوں طرف پائے جاتے ہیں مثلاً تکبیراتِ تشریق، تکبیرات عیدین، نکاح محرم، تشہد ابن عباس وابن مسعود، بسم اللہ اور آمین کا اخفاء، تکبیراتِ اقامت میں کلمات کو ایک ایک مرتبہ یا دو دو مرتبہ پڑھنا وغیرہ، ان میں اختلاف دراصل اس امر میں ہے کہ دو اقوال میں سے کس کو کس پر ترجیح ہے ورنہ ان مختلف طریقوں کے بجائے خود مشروع ہونے میں سلف کے درمیان کوئی اختلاف نہ تھا۔ ان کا اختلاف تو صرف اس اعتبار سے تھا کہ وہ مختلف امور میں سے اولیٰ کون سا ہے، اور یہ اختلاف ایسا ہی ہے جیسے قرأت کی مختلف صورتوں میں قاریوں کے درمیان اختلاف ہے اس معاملہ میں بیشتر امور کے اختلاف کی وجہ سلف نے یہ بتائی ہے کہ صحابہ کرام خود ان میں مختلف تھے اور ظاہر ہے کہ صحابہ سب کے سب ہدایت پر تھے۔

پھر باب اذکار الصلوٰۃ وہیأتہا المندوب الیہا میں فرماتے ہیں:

وہو (ای رفع الیدین) من الہیأت وفعلہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرۃ وترکہ مرۃ والکل سنۃ واخذ بکل واحد جماعۃ من الصحابۃ والتابعین ومن بعدہم وہذا احد المواضع التی اختلف فیہا الفریقان اہل المدینۃ والکوفۃ ولکل واحد اصل اصیل والحق عندی فی مثل ذلک ان الکل سنۃ

اور وہ (یعنی رفع یدین) نماز کی ان ہیئتوں میں سے ہے جن کو نبی صلعم نے کبھی کیا ہے اور کبھی نہیں کیا، اور یہ دونوں طریقے سنت ہیں، صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں میں سے ایک ایک جماعت نے ان میں ایک ایک طریقے کو اختیار کیا ہے، اور یہ من جملہ ان معاملات کے ہے جن میں اہل مدینہ اور اہل کوفہ کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے، لیکن ہر ایک کے لیے ایک ثابت شدہ اصل شریعت میں موجود ہے اور ایسے مسائل میں میرے نزدیک حق یہ ہے کہ سب مختلف طریقے یکساں سنت ہیں۔

شاہ صاحب کی ان تصریحات کے بعد اس امر کی ضرورت نہیں رہتی کہ میں آمین کے مسئلہ کے متعلق الگ بحث کروں۔ تاہم اس معاملہ میں صاحب الحجۃ ہر انفق کا یہ قول نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ:-

والصواب ان الحدیثین بالجہر بھا والمخافتة صحیحان وعمل بکل من فعلیه جماعة من العلماء

اور صحیح یہ ہے کہ آمین زور سے کہنے اور آہستہ کہنے، دونوں کی روایتیں صحیح ہیں اور ان میں سے ہر ایک پر علماء کی ایک ایک جماعت نے عمل کیا ہے

۳۔ ہماری جماعت کا ان اختلافی معاملات میں جو مسلک ہے اس کی توضیح اس سے پہلے بارہا کی جا چکی ہے، اور میں اب ایک مرتبہ پھر اسے صاف صاف الفاظ میں بیان کیے دیتا ہوں۔ اس جماعت میں اہل حدیث، احناف، شوافع اور ایسے ہی دوسرے فقہی طریقوں پر چلنے والے مسلمانوں کے لیے اپنے اپنے فقہی مسلک پر عمل کرنے کی پوری آزادی ہے، بشرطیکہ وہ ان مسلکوں میں سے کسی کے لیے متعصب نہ ہوں اور ان اختلافات کو مغائرت اور جتھہ بندی کا ذریعہ نہ بنائیں۔ جماعت کے اندر جو لوگ بھی شامل ہوں انھیں اسلامی عصبیت کے سوا اور ساری عصبیتیں اپنے اندر سے نکالنی ہوں گی خواہ وہ وطنی عصبیتیں ہوں، نسلی ہوں، طبقاتی ہوں یا گروہی۔ ان کو محبت اور دوستی کے رشتہ میں جوڑنے والی چیز اسلام کے سوا اور کوئی نہ ہو، اور ان کے اندر غصہ و نفرت کو بھڑکانے والی بھی اسلام سے دوری کے سوا کوئی دوسری چیز نہ ہو۔ کسی رکن جماعت کے لیے کسی دوسرے شخص کا اہل حدیث یا حنفی یا شافعی مسلک پر ہونا یا اختیار کر لینا نہ تو سبب محبت ہی ہو اور نہ سبب نفرت۔ اس لازمی و ضروری شرط کے ساتھ اہل حدیث اہل حدیث رہتے ہوئے اور حنفی حنفی رہتے ہوئے اور شافعی شافعی رہتے ہوئے جماعت اسلامی کا رکن ہو سکتا ہے۔ لیکن جو شخص کسی مخصوص فقہی مذہب کے لیے متعصب ہو، اور اپنے مذہب کے پیروؤں سے محبت اور دوسرے طریقے والوں سے نفرت رکھتا ہو، اور حنفی، شافعی یا اہل حدیث ہو جانے کو جرم سمجھتا ہو اس کے لیے ہماری اس جماعت میں کوئی جگہ نہیں۔

۴۔ میرے متعلق اس نزاع کے سلسلہ میں جو کچھ کہا گیا ہے اُس پر میں صبر کرتا ہوں اور ان لوگوں کے معاملہ کو خدا پر چھوڑتا ہوں جنھوں نے بغیر علم و تحقیق کے یہ بدگمانی لوگوں میں پھیلائی کہ میں اہل حدیث کو حنفی بنانے کی سازش کر رہا ہوں۔ کاش وہ لوگ جو فقہی جزئیات میں کتاب و سنت کی پیروی پر بڑا زور دیا کرتے ہیں، اخلاقی معاملات میں بھی کتاب و سنت کی کچھ پیروی کر لیا کریں۔

۵۔ آپ کے والد ماجد نے اس قضیہ میں جو رویہ اختیار کیا ہے اس کی دو حیثیتیں ہیں، ایک رکن جماعت ہونے کی حیثیت سے اور ایک آپ کے والد ہونے کی حیثیت سے۔ جہاں تک پہلی حیثیت کا تعلق ہے اس پر میں نمبر ۳ میں روشنی ڈال چکا ہوں لہٰذا وہ براہ کرم اپنے متعلق فیصلہ کر لیں کہ آیا وہ اپنے رویہ کو بدلنا پسند فرماتے ہیں یا جماعت سے علیحدگی۔ رہی دوسری حیثیت، تو اس کے متعلق میں مختصر طور پر صرف یہ کہہ دینا کافی سمجھتا ہوں کہ جہاں تک اصول دین کا تعلق ہے، والدین کو نہ صرف یہ حق ہے بلکہ یہ ان کا فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اعتقادی ضلالت یا اخلاقی فساد سے روکنے کی کوشش کریں۔ لیکن جہاں تک فقہی معاملات کا تعلق ہے، والدین کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اولاد کو اپنے مسلک خاص کی پیروی پر مجبور کریں۔ خصوصاً جبکہ اولاد صاحب علم ہو اور تحقیق کی بنا پر والدین سے مختلف کسی دوسرے مسلک فقہی کو اختیار کرنا چاہے تو والدین کے لیے یہ مطالبہ کرنا کسی طرح درست نہیں ہے کہ وہ اپنی تحقیق کے خلاف عمل کرے۔ اس معاملہ میں سلف کا صحیح اتباع یہ ہے کہ والدین اور اولاد دونوں کو تحقیق کی آزادی اور اپنی تحقیق پر عمل کرنے کا حق ہونا چاہیے۔ اس حق کو سلب کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر ایک شخص اہل حدیث یا حنفی یا شافعی ہو تو وہ اپنی آئندہ نسل کو بھی اہل حدیث، حنفی، یا شافعی بنانے پر اصرار کرے گا اور دو چار پشتیں گزر جانے کے بعد